ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 418

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: اخلاقیات (418) • سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر (بی اے): 40 • کامیابی کے نمبر (اے ڈی): 50 • کریڈٹ: 3

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹ پڑھیں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں۔

سوال نمبر 1: ڈاکٹر — معاشرے کا آئیڈیل اور رہنما (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ ایک ڈاکٹر کو معاشرے کا "آئیڈیل" اور "رہنما" کیوں کہا گیا ہے؟ وضاحت کریں۔ (20)

تعارف

ہر معاشرے میں کچھ پیشے ایسے ہوتے ہیں جن سے وابستہ افراد کو عوام خاص عزت اور اعتماد کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ان میں ڈاکٹر کا پیشہ سب سے نمایاں ہے۔ مریض اپنی سب سے قیمتی چیز، یعنی اپنی جان اور صحت، ڈاکٹر کے حوالے کرتا ہے، اس کے سامنے اپنے راز کھولتا ہے اور اس کی ہدایت پر آنکھ بند کر کے عمل کرتا ہے۔ یہی اعتماد ڈاکٹر کو صرف ایک فنی ماہر نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے معاشرے کا آئیڈیل، یعنی نمونہ اور رہنما، یعنی رہنمائی کرنے والا بنا دیتا ہے۔

آئیڈیل اسے کہتے ہیں جس کی مثال دی جائے اور جس کی پیروی کی خواہش کی جائے، اور رہنما وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو راستہ دکھائے۔ ڈاکٹر اپنی علمیت، خدمت، اخلاق اور کردار کی وجہ سے ان دونوں حیثیتوں پر فائز ہوتا ہے۔ نوجوان اس جیسا بننے کی خواہش کرتے ہیں، والدین بچوں کو اس کی مثال دیتے ہیں اور صحت و صفائی کے معاملات میں پورا معاشرہ اس کی بات کو حجت سمجھتا ہے۔ اس جواب میں ہم ان وجوہات کی وضاحت کریں گے جن کی بنا پر ڈاکٹر کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔

انسانی جان کی خدمت — سب سے بڑا شرف

ڈاکٹر کو آئیڈیل کہنے کی پہلی وجہ اس کے کام کی عظمت ہے۔ وہ انسانی جان بچانے اور تکلیف دور کرنے کا کام کرتا ہے، اور قرآنِ مجید نے ایک جان بچانے کو پوری انسانیت کو زندہ کرنے کے برابر قرار دیا ہے۔ جو پیشہ براہِ راست موت و حیات سے جڑا ہو، اس سے وابستہ شخص فطری طور پر معاشرے میں سب سے زیادہ قابلِ احترام ہو جاتا ہے۔ لوگ تکلیف کی گھڑی میں جس شخص کی طرف رجوع کرتے ہیں، خوشی کی محفلوں میں بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

یہ خدمت کسی ایک طبقے تک محدود نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر امیر و غریب، حاکم و محکوم، اپنے اور پرائے سب کا علاج کرتا ہے اور ایمرجنسی میں اس کے نزدیک صرف مریض ہوتا ہے، اس کی حیثیت نہیں۔ یہ بے لوث اور ہمہ گیر خدمت اسے ان پیشوں سے ممتاز کر دیتی ہے جن کا مقصد صرف منافع کمانا ہوتا ہے۔ اسی بے لوثی کی وجہ سے ڈاکٹر کو مسیحا کا لقب دیا گیا ہے، یعنی دکھ دور کرنے والا۔

علم اور مہارت کا نمونہ

ڈاکٹر بننے کے لیے طویل تعلیم، سخت محنت اور مسلسل مطالعہ درکار ہوتا ہے۔ برسوں کی پڑھائی، تربیت اور تجربے کے بعد کوئی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ اسے دوسروں کی زندگیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ یہ علمی سفر ڈاکٹر اور نوجوان نسل کے لیے محنت، لگن اور علم دوستی کا عملی نمونہ بنا دیتا ہے۔ جب ایک طالبِ علم ڈاکٹر کو دیکھتا ہے تو اسے یہ سبق ملتا ہے کہ عزت اور مقام محنت کے بغیر نہیں ملتا۔

مزید یہ کہ ڈاکٹر کا علم مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ طب ایک ترقی پذیر علم ہے، نئی بیماریاں، نئی دوائیں اور نئے طریقے سامنے آتے رہتے ہیں، اور ڈاکٹر کو ساری زندگی طالبِ علم بن کر رہنا پڑتا ہے۔ زندگی بھر سیکھنے کا یہ رویہ پورے معاشرے کے لیے رہنمائی ہے کہ علم کسی سند پر ختم نہیں ہوتا۔ اس علمی وقار کی وجہ سے لوگ صرف بیماری میں نہیں بلکہ صحت، خوراک اور زندگی کے دوسرے فیصلوں میں بھی ڈاکٹر کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔

اعتماد اور امانت کا مرکز

ڈاکٹر اور مریض کا تعلق اعتماد کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ مریض ڈاکٹر کو وہ راز بھی بتا دیتا ہے جو وہ اپنے قریب ترین عزیزوں سے چھپاتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اس کی امانت کی حفاظت کرے گا۔ معاشرے میں بہت کم افراد کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ لوگ ان پر اتنا اندھا اعتماد کریں۔ یہی اعتماد ڈاکٹر کو اخلاقی رہنما بناتا ہے، کیونکہ جس پر سب بھروسہ کریں اس کا کردار سب کے لیے معیار بن جاتا ہے۔

اسی اعتماد کا تقاضا ہے کہ ڈاکٹر اپنی ذمہ داری کو انتہائی دیانت سے نبھائے۔ اگر ڈاکٹر غیر ضروری ٹیسٹ لکھے، مہنگی دوا مفاد کے لیے تجویز کرے یا علاج میں لاپروائی کرے تو صرف ایک مریض کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پورے پیشے اور پورے نظامِ صحت پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک دیانت دار ڈاکٹر اپنی ساکھ سے نسلوں تک اس پیشے کا وقار قائم رکھتا ہے۔ یہی دُہری صورتحال ظاہر کرتی ہے کہ ڈاکٹر معاشرے کے اخلاقی ماحول کا رخ متعین کرنے والوں میں سے ہے۔

خدمت، ہمدردی اور قربانی کا نمونہ

ڈاکٹر کی زندگی خدمت اور قربانی کی عملی تصویر ہوتی ہے۔ وہ آدھی رات کو بھی مریض کے لیے جاگتا ہے، عید اور تہوار پر بھی ایمرجنسی میں موجود ہوتا ہے اور وباؤں کے دنوں میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر فرنٹ لائن پر کھڑا ہوتا ہے۔ کورونا وبا کے دنوں میں دنیا نے دیکھا کہ ڈاکٹروں اور طبی عملے نے اپنے خاندانوں سے دور رہ کر اور اپنی جانوں کی قربانی دے کر انسانیت کی خدمت کی۔ ایسی قربانیاں معاشرے کو خدمت کا سب سے بڑا سبق دیتی ہیں۔

ڈاکٹر کی ہمدردی اور نرم رویہ بھی اسے آئیڈیل بناتا ہے۔ مریض کو تسلی دینا، اس کی بات صبر سے سننا اور اسے امید دلانا وہ رویے ہیں جو پورے معاشرے میں پھیلنے چاہئیں۔ جب لوگ ڈاکٹر میں یہ صفات دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ طاقت اور علم کا اصل حسن کمزور کی خدمت میں ہے۔ اس طرح ڈاکٹر خاموشی سے پورے معاشرے کا اخلاقی استاد بن جاتا ہے۔

صحت و صفائی کا رہنما

ڈاکٹر صرف بیماری کا علاج نہیں کرتا بلکہ صحت کی حفاظت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ صفائی کی اہمیت، متوازن غذا، ورزش، نشے کے نقصانات، بچوں کی حفاظتی ٹیکہ بندی اور وبائی امراض سے بچاؤ جیسی باتیں معاشرے تک سب سے مؤثر طریقے سے ڈاکٹر ہی پہنچاتا ہے۔ جب کوئی ڈاکٹر کسی مہم میں پیغام دیتا ہے تو عوام اسے سنجیدگی سے لیتے ہیں، کیونکہ اس کے پیچھے اس کا علم اور تجربہ بولتا ہے۔

یہ رہنمائی خاندانی زندگی تک پھیلی ہوئی ہے۔ حمل اور زچگی کی دیکھ بھال، بچوں کی نشوونما، بزرگوں کی صحت اور ذہنی صحت کے مسائل میں ڈاکٹر کی ہدایات گھروں کے معمولات بدل دیتی ہیں۔ جدید دور میں ذہنی دباؤ، نیند اور طرزِ زندگی کی بیماریاں بڑھ رہی ہیں اور ان سب میں ڈاکٹر کی رہنمائی معاشرے کو صحیح سمت دیتی ہے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر صرف ایک فرد نہیں بلکہ عوامی صحت کی پالیسی اور سماجی رویوں دونوں کا رہنما ہے۔

مشکل وقت میں قیادت

رہنما کی اصل آزمائش مشکل وقت میں ہوتی ہے اور ڈاکٹر کو یہ آزمائش بار بار پیش آتی ہے۔ حادثات، وبائیں، زلزلے اور ہنگامی حالات میں ڈاکٹر کو فوری فیصلے کرنا ہوتے ہیں، گھبرائے ہوئے لوگوں کو سنبھالنا ہوتا ہے اور محدود وسائل میں زیادہ سے زیادہ جانیں بچانا ہوتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر اس کا صبر، حوصلہ اور نظم و ضبط پورے ماحول کو سنبھال لیتا ہے۔ مریض کے اہلِ خانہ بھی اسی کی طرف دیکھتے ہیں کہ خبر اچھی ہے یا بری، اور اس کے الفاظ ان کے دلوں پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

یہ قیادت صرف اسپتال تک محدود نہیں رہتی۔ سماجی سطح پر بھی ڈاکٹر سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ صحت سے متعلق افواہوں کی تردید کرے، غلط روایات کے خلاف آواز اٹھائے اور حکیموں کے غیر محفوظ طریقوں سے لوگوں کو بچائے۔ جو شخص برے وقت میں سب کو سہارا دے اور درست راستہ دکھائے، معاشرہ فطری طور پر اسی کو اپنا رہنما تسلیم کرتا ہے۔

ڈاکٹر کے کردار کی اخلاقی ذمہ داری

آئیڈیل اور رہنما ہونے کا مقام جہاں عزت دیتا ہے وہیں بھاری ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے۔ ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کو خدمت کے لیے استعمال کرے، کاروبار کے لیے نہیں؛ مریض کے ساتھ سچ بولے، اس سے جھوٹی امیدیں نہ باندھے اور ناممکن نتائج کا وعدہ نہ کرے؛ مریض کے راز کی حفاظت کرے؛ امیر و غریب میں فرق نہ کرے؛ اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی صحت بخش عادات کا نمونہ بنے، کیونکہ سگریٹ نوشی کی ممانعت کا پیغام اسی ڈاکٹر کا مؤثر ہوتا ہے جو خود اس سے دور ہو۔

اس ذمہ داری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ڈاکٹر نوجوان ڈاکٹروں اور طبی طلبہ کے لیے بھی نمونہ ہوتا ہے۔ سینئر ڈاکٹر کا رویہ جونیئرز کی پیشہ ورانہ شخصیت سازی کرتا ہے۔ اگر سینئر دیانت، وقت کی پابندی اور مریض سے نرمی سکھائے تو یہ خوبیاں اگلی نسل میں منتقل ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک ڈاکٹر کا کردار اپنے زمانے سے آگے کے معاشرے کی بھی تشکیل کرتا ہے، جو رہنما ہونے کا سب سے گہرا مفہوم ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کو معاشرے کا آئیڈیل اور رہنما اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی جان کی خدمت کرتا ہے، علم و محنت کا عملی نمونہ ہے، پورے معاشرے کے اعتماد کا مرکز ہے، خدمت و قربانی کی زندگی گزارتا ہے، صحت و صفائی میں عوام کی رہنمائی کرتا ہے اور مشکل وقت میں قیادت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ مقام ڈاکٹر کو اعزاز کے ساتھ ایک بھاری اخلاقی ذمہ داری بھی دیتا ہے کہ وہ اپنے کردار، دیانت اور خدمت سے اس اعتماد کو ہمیشہ سچا ثابت کرے۔ ایسا ڈاکٹر واقعی کسی ایک مریض کا معالج نہیں بلکہ پورے معاشرے کا مربی ہوتا ہے۔

سوال نمبر 2: پاکدامنی کی اہمیت اور ضرورت (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ پاکدامنی کی اہمیت اور ضرورت پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

پاکدامنی انسانی کردار کی ان بنیادی صفات میں سے ہے جن پر فرد کی عزت، خاندان کا استحکام اور معاشرے کی اخلاقی صحت کا انحصار ہے۔ پاکدامنی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو شریعت اور اخلاق کی حدود میں رکھے، نگاہ اور دل کی حفاظت کرے اور ہر اس راستے سے بچے جو بے حیائی اور بے راہ روی کی طرف لے جائے۔ یہ صرف ایک انفرادی پرہیز نہیں بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے جس میں سوچ کی پاکیزگی، نظر کی حفاظت اور عمل کی عفت سب شامل ہیں۔

آج کے دور میں جب ذرائع ابلاغ اور سماجی رابطے کے ذریعے بے حیائی کے محرکات ہر جیب تک پہنچ گئے ہیں، پاکدامنی کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ نوجوان نسل کے سامنے یہ سوال بڑی شدت سے کھڑا ہے کہ خواہشات کی اس باڑھ میں اپنی عزت اور کردار کی حفاظت کیسے کی جائے۔ اس نوٹ میں ہم پاکدامنی کے مفہوم، اس کی انفرادی و اجتماعی اہمیت اور اس کی ضرورت کی وجوہات بیان کریں گے اور آخر میں اسے اپنانے کے عملی ذرائع کا ذکر کریں گے۔

پاکدامنی کا مفہوم

پاکدامنی کے لفظی معنی ہیں دامن کا پاک ہونا، یعنی لباس کو گندگی سے بچانے کی طرح اپنے کردار کو گناہ اور بے حیائی کے داغ سے بچانا۔ اصطلاحی مفہوم میں پاکدامنی یہ ہے کہ انسان اپنی فطری خواہشات کی تکمیل صرف جائز اور پاکیزہ ذریعے سے کرے اور ناجائز ذرائع سے مکمل پرہیز کرے۔ اس میں نگاہ نیچی رکھنا، غیر محرم اختلاط سے بچنا، فحش گفتگو اور فحش مواد سے دوری، اور نکاح کے پاکیزہ ادارے کی قدر کرنا شامل ہے۔

پاکدامنی کا مفہوم صرف بڑے گناہوں سے بچنے تک محدود نہیں بلکہ ان تمام چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بچنا بھی اس میں شامل ہے جو بڑے گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے صرف یہ نہیں کہا کہ بدکاری نہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، کیونکہ قریب جانا ہی گرنے کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ یہ احتیاطی اصول پاکدامنی کی حفاظت کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

قرآن و سنت میں پاکدامنی کی تاکید

اسلام نے پاکدامنی کو ایمان کی علامتوں میں شمار کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں کامیاب مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کی عفت و پاکدامنی کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اور مردوں و عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی پاکدامنی کی سب سے روشن مثال ہے کہ انہوں نے قید کی تکلیف قبول کر لی مگر گناہ کی دعوت قبول نہ کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پاکدامنی کو قرآن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پاکدامنی کو جنت کی ضمانتوں میں بیان فرمایا اور نوجوانوں کو خاص طور پر اس کی تلقین کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنی نگاہ اور عفت کی حفاظت کرے اس کے لیے اللہ کی طرف سے خاص اجر ہے۔ اسوہ اور تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ پاکدامنی اسلام میں ایک حاشیائی اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ ایمان، عبادت اور سماجی نظام کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والی مرکزی قدر ہے۔

انفرادی اہمیت: عزت، سکون اور کردار

انفرادی سطح پر پاکدامنی انسان کو سب سے پہلے عزت و وقار عطا کرتی ہے۔ پاکدامن شخص معاشرے میں اعتماد کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کے گھر میں داخل ہونے، اس کے ساتھ رشتہ جوڑنے اور اس پر بھروسہ کرنے میں کسی کو ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بدکرداری کی شہرت انسان کی ساکھ کو اس طرح ختم کر دیتی ہے کہ اس کی دوسری خوبیاں بھی مشکوک ہو جاتی ہیں۔ عزت وہ دولت ہے جو عمر بھر میں کمائی جاتی ہے اور ایک لغزش سے ضائع ہو جاتی ہے۔

دوسرا انفرادی فائدہ ذہنی و روحانی سکون ہے۔ پاکدامن انسان ضمیر کی ملامت، رازفاش ہونے کے خوف اور جھوٹے بہانوں کے بوجھ سے آزاد رہتا ہے۔ اس کی سوچ صاف، ارادہ مضبوط اور توجہ اپنے مقاصد پر مرکوز ہوتی ہے۔ نفسیاتی مشاہدہ بھی بتاتا ہے کہ ضبطِ نفس رکھنے والے افراد میں خود اعتمادی اور فیصلہ سازی کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ یوں پاکدامنی انسان کی شخصیت کو اندر سے مضبوط اور باہر سے معزز بناتی ہے۔

خاندانی اہمیت: اعتماد اور استحکام

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان کی بنیاد میاں بیوی کے باہمی اعتماد پر کھڑی ہوتی ہے۔ پاکدامنی اسی اعتماد کی حفاظت کرتی ہے۔ جب شریکِ حیات کو یہ یقین ہو کہ اس کا ساتھی پاکدامن ہے تو گھر میں محبت، اطمینان اور تعاون کا ماحول بنتا ہے، اور اسی ماحول میں بچے صحت مند نفسیات کے ساتھ پروان چڑھتے ہیں۔ اس کے برعکس بے وفائی اور بدکرداری کا ایک واقعہ پورے خاندان کو ہمیشہ کے لیے توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی والدین کی پاکدامنی فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ بچے نصیحت سے زیادہ ماحول سے سیکھتے ہیں۔ پاکیزہ گھرانے میں پروان چڑھنے والے بچے فطری طور پر حیا اور عفت کو اپنا لیتے ہیں، جبکہ بے پردگی اور بے حیائی والے ماحول کے بچے اسی کو معمول سمجھ کر بڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے پاکدامنی درحقیقت ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہونے والا اخلاقی سرمایہ ہے۔

اجتماعی اہمیت: امن، صحت اور اخلاقی ماحول

اجتماعی سطح پر پاکدامنی معاشرے کو کئی بڑے مسائل سے بچاتی ہے۔ جب عفت کی قدر رائج ہوتی ہے تو نکاح کا ادارہ مضبوط ہوتا ہے، خاندان بنتے ہیں اور بچوں کو ماں باپ دونوں کا تحفظ ملتا ہے۔ جب یہ قدر کمزور پڑ جاتی ہے تو خاندان بکھرتے ہیں، بچے بے سہارا ہوتے ہیں، اکیلے والدین کے مسائل بڑھتے ہیں اور سماجی ڈھانچہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف معاشروں کا تقابلی مطالعہ اس تعلق کو واضح طور پر دکھاتا ہے۔

صحت کے حوالے سے بھی پاکدامنی کی اہمیت مسلمہ ہے۔ بے راہ روی سے پھیلنے والی بیماریوں اور ذہنی و سماجی مسائل نے بڑے بڑے ملکوں کے نظامِ صحت پر بوجھ ڈال رکھا ہے، جبکہ پاکدامن طرزِ زندگی ان خطرات سے فطری حفاظت فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح جرائم کی دنیا میں بھی عورت سے جھگڑے، قتل اور بلیک میلنگ کے واقعات اخلاقی بے راہ روی سے جڑے ہوتے ہیں۔ یوں پاکدامنی صرف مذہبی نصیحت نہیں بلکہ سماجی امن اور عوامی صحت کی بنیاد بھی ہے۔

موجودہ دور میں ضرورت

آج پاکدامنی کی ضرورت اس لیے دوچند ہو گئی ہے کہ بے حیائی کے اسباب غیر معمولی طور پر بڑھ گئے ہیں۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ نے فحش مواد کو ہر عمر کے فرد کی پہنچ میں دے دیا ہے، اشتہارات اور تفریحی صنعت نے بے پردگی کو فروغ دیا ہے اور شادیوں میں تاخیر نے نوجوانوں کے لیے آزمائش کا دورانیہ لمبا کر دیا ہے۔ ایسے ماحول میں پاکدامنی اب صرف روایتی نصیحت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے شعوری حکمتِ عملی درکار ہے۔

اس حکمتِ عملی میں سب سے پہلے اللہ کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس مضبوط کرنا ہے، کیونکہ تنہائی میں بچانے والی یہی قوت ہے۔ پھر نگاہ کی حفاظت، غیر ضروری اختلاط سے پرہیز، وقت کو تعمیری مصروفیات میں لگانا، نیک صحبت اختیار کرنا اور نکاح کو آسان بنانا عملی ذرائع ہیں۔ والدین اور اساتذہ کو بھی نوجوانوں کو ڈانٹنے کے بجائے محبت سے رہنمائی دینی چاہیے اور ان کے مسائل کو سمجھ کر حل پیش کرنا چاہیے تاکہ یہ قدر دباؤ سے نہیں، اقناع سے اپنائی جائے۔

نوجوانوں کے لیے خاص پیغام

پاکدامنی کی سب سے زیادہ ضرورت نوجوانوں کو ہے کیونکہ جوانی خواہشات کی شدت اور مستقبل سازی کا زمانہ ہوتا ہے۔ جو نوجوان اس دور میں اپنے کردار کی حفاظت کر لیتا ہے وہ اپنی توانائی تعلیم، ہنر اور مقاصد پر مرکوز کر پاتا ہے اور زندگی کی دوڑ میں آگے نکل جاتا ہے۔ جو اس امتحان میں پھسلتا ہے اسے اکثر پچھتاوے، ذہنی انتشار، تعلیم کی خرابی اور غلط صحبت جیسے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں جن کی تلافی مشکل ہوتی ہے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ پاکدامنی کمزوری نہیں بلکہ قوت کی علامت ہے۔ خواہش کے آگے جھک جانا سب سے آسان کام ہے، اصل بہادری اسے حدود میں رکھنا ہے۔ دنیا کے عظیم انسانوں کی سوانح پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ضبطِ نفس ان سب کی مشترک صفت رہی ہے۔ اس لیے نوجوان کو پاکدامنی کو اپنی شخصیت کا فخر سمجھنا چاہیے، کوئی ایسی پابندی نہیں جس پر شرمندگی ہو۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکدامنی فرد کی عزت و سکون، خاندان کے اعتماد و استحکام اور معاشرے کے امن و صحت کی بنیاد ہے۔ قرآن و سنت نے اسے ایمان کی نمایاں صفات میں شمار کیا ہے اور تجربہ بھی ثابت کرتا ہے کہ جہاں یہ قدر زندہ ہوتی ہے وہاں خاندان جڑے رہتے ہیں اور سماجی مسائل کم ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کے پر آزمائش ماحول میں پاکدامنی کی ضرورت پہلے سے بڑھ گئی ہے، اس لیے ہر فرد، خاص کر نوجوان، کو اللہ کے خوف، نگاہ کی حفاظت، نیک صحبت اور نکاح جیسے ذرائع سے اس دولت کی حفاظت کرنی چاہیے۔

سوال نمبر 3: معاشرت — زندگی کی فطری ضرورت (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ معاشرت زندگی کی فطری ضرورت، کو بیان کریں۔ (20)

تعارف

انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی وجود بھی بنایا گیا ہے۔ وہ اکیلا پیدا نہیں ہوتا، اکیلا زندہ نہیں رہ سکتا اور اکیلا ترقی نہیں کر سکتا۔ پیدائش سے موت تک اس کی ہر ضرورت دوسرے انسانوں سے جڑی ہوئی ہے: بچپن میں ماں باپ کی پرورش، جوانی میں اساتذہ کی رہنمائی اور دوستوں کی رفاقت، اور بڑھاپے میں اولاد اور معاشرے کا سہارا۔ اسی باہمی وابستگی اور مل جل کر رہنے کے نظام کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

یہ سوال کہ معاشرت زندگی کی فطری ضرورت ہے، درحقیقت انسان کی فطرت کو پہچاننے کا سوال ہے۔ شہد کی مکھی اور چیونٹی سے لے کر بڑے جانوروں تک بہت سی مخلوقات جھنڈ میں رہتی ہیں، مگر انسان کی معاشرت ان سب سے اعلیٰ اور شعوری ہے کیونکہ یہ صرف جبلت پر نہیں بلکہ عقل، زبان اور باہمی حقوق پر قائم ہے۔ اس جواب میں ہم معاشرت کے مفہوم اور اس کے فطری ضرورت ہونے کی وجوہات تفصیل سے بیان کریں گے۔

معاشرت کا مفہوم

معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر رہنا، باہمی میل جول، سماجی تعلقات اور اجتماعی زندگی۔ اصطلاح میں معاشرت سے مراد انسانوں کا وہ منظم باہمی نظام ہے جس میں وہ ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے ہیں، حقوق و فرائض ادا کرتے ہیں اور ایک مشترکہ تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھاتے ہیں۔ خاندان اس کی سب سے چھوٹی صورت ہے، اس کے بعد محلہ، برادری، شہر، قوم اور بالآخر پوری انسانی برادری اس کے دائرے بنتے ہیں۔

معاشرت محض اکٹھے رہنے کا نام نہیں بلکہ اقدار کے ساتھ رہنے کا نام ہے۔ جانور بھی جھنڈ میں رہتے ہیں، مگر انسانی معاشرت میں محبت، انصاف، ایثار، وعدہ اور قانون جیسے شعوری اصول شامل ہوتے ہیں۔ یہی اصول معاشرت کو ایک اخلاقی نظام بناتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات کے مضمون میں معاشرت کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے، کیونکہ زیادہ تر اخلاقی اوصاف کا امتحان معاشرتی زندگی ہی میں ہوتا ہے۔

جسمانی ضروریات اور بقا کا تقاضا

معاشرت کے فطری ضرورت ہونے کی پہلی دلیل انسان کی جسمانی کمزوری اور ضروریات ہیں۔ انسانی بچہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عرصے تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔ برسوں تک اسے کھلانے، پہنانے، سکھانے اور حفاظت کرنے والا چاہیے۔ جوان انسان بھی اپنی خوراک، لباس، مکان اور علاج کے لیے کسان، درزی، معمار اور ڈاکٹر کا محتاج ہے۔ کوئی ایک شخص یہ تمام کام خود نہیں کر سکتا، اس لیے تقسیمِ کار اور باہمی تعاون کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ہی ناممکن ہے۔

قدرتی آفات اور خطرات کے مقابلے میں بھی انسان اکیلا بے بس ہے۔ بیماری، بڑھاپا، حادثہ اور معذوری ہر انسان کی زندگی میں آ سکتی ہے اور ان حالات میں معاشرہ ہی اس کا سہارا بنتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ برادریاں اور قبائل اسی لیے وجود میں آئے کہ مل کر رہنے سے بقا کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لہٰذا معاشرت کوئی اضافی سہولت نہیں بلکہ زندگی کی شرطِ اول ہے۔

نفسیاتی اور جذباتی ضرورت

انسان صرف جسم نہیں، جذبات اور احساسات کا مجموعہ بھی ہے۔ محبت کرنا اور محبت پانا، خوشی میں شریک ہونا اور غم میں تسلی حاصل کرنا اس کی گہری نفسیاتی ضروریات ہیں۔ تنہائی طویل ہو جائے تو انسان ذہنی دباؤ، افسردگی اور یہاں تک کہ جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جدید نفسیات بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ سماجی تعلقات انسان کی ذہنی صحت اور لمبی عمر کے لیے اتنے ہی اہم ہیں جتنا کھانا اور ورزش۔

انسان اپنی کامیابی کی خوشی اس وقت مکمل محسوس کرتا ہے جب اسے بانٹنے والے موجود ہوں، اور اپنے دکھ کا بوجھ اس وقت ہلکا پاتا ہے جب کوئی سننے اور سمجھنے والا ہو۔ شادی، دوستی، رشتہ داری اور پڑوس یہ سب انسانی جذبات کی اسی فطری پیاس کا جواب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سخت ترین سزاؤں میں قیدِ تنہائی کو شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ انسان سے اس کی فطری ضرورت چھین لیتی ہے۔

علمی اور تہذیبی ترقی کا ذریعہ

انسان کا علم اور تہذیب بھی معاشرت ہی کی پیداوار ہے۔ زبان، جو انسانی ترقی کی بنیاد ہے، معاشرے کے بغیر وجود میں آ ہی نہیں سکتی، کیونکہ زبان کا مقصد ہی دوسرے تک بات پہنچانا ہے۔ کتابیں، اسکول، لائبریریاں اور جامعات سب اجتماعی کوششوں کے نتیجے ہیں۔ ایک سائنسدان سینکڑوں پچھلے سائنسدانوں کے کام پر کھڑا ہو کر نئی دریافت کرتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہم دیوؤں کے کندھوں پر کھڑے ہیں۔

تہذیب و ثقافت بھی نسل در نسل معاشرت ہی سے منتقل ہوتی ہے۔ رسم و رواج، سوچ، پیشے اور اخلاقی اقدار سب اجتماعی تجربے کا نچوڑ ہیں۔ اگر ہر انسان تنہا زندگی گزارے تو ہر نسل کو پہیہ دوبارہ ایجاد کرنا پڑے اور انسان مہذب ہونے کے بجائے وحشی رہ جائے۔ لہٰذا معاشرہ انسانی ترقی کا انجن ہے اور یہ بھی اس کے فطری ضرورت ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔

اخلاقی تربیت کا میدان

اخلاقیات کے نقطۂ نظر سے معاشرت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اخلاق کا اظہار اور امتحان معاشرے ہی میں ہوتا ہے۔ اکیلے جنگل میں رہنے والے کے لیے سچ، جھوٹ، امانت، خیانت، سخاوت اور ظلم کے تصورات بے معنی ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ سب دوسروں کے ساتھ تعلق میں پیدا ہونے والی صفات ہیں۔ صبر کی آزمائش دوسروں کی بات برداشت کرنے میں ہے، ایثار کا ثبوت دوسرے کو اپنے پر ترجیح دینے میں ہے اور عدل کا امتحان دوسروں کے حق کے فیصلے میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے گوشہ نشینی کے بجائے اجتماعی زندگی کو پسند کیا، جماعت، جمعہ، حج اور باہمی حقوق کا ایک وسیع نظام دیا۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں میں گھل مل کر رہنے اور ان کی اذیت پر صبر کرنے والے مومن کو گوشہ نشین سے بہتر قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرت صرف فطری مجبوری نہیں بلکہ اخلاقی تکمیل کا ذریعہ بھی ہے، اور انسان کی روحانی ترقی بھی معاشرے ہی کے اندر ہوتی ہے۔

معاشرت کے آداب اور اصول

چونکہ معاشرت فطری ضرورت ہے، اس لیے اس کے کچھ آداب اور اصول بھی مقرر ہیں جن کے بغیر یہ نعمت زحمت بن جاتی ہے۔ ان میں سب سے پہلا اصول باہمی حقوق کی ادائیگی ہے: والدین، اولاد، پڑوسی، دوست، استاد و رماحت ہر ایک کے حقوق تسلیم کیے جائیں۔ دوسرا اصول انصاف اور رویے میں اعتدال ہے کہ نہ کسی پر زیادتی ہو اور نہ اپنے حق سے مکمل دستبرداری۔ تیسرا اصول رواداری اور اختلاف کو برداشت کرنا ہے، کیونکہ جہاں لوگ اکٹھے ہوں گے وہاں رائے کا اختلاف لازمی ہو گا۔

چوتھا اصول تعاون ہے کہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے اور برائی میں تعاون سے انکار کیا جائے۔ پانچواں اصول خیر خواہی اور رازداری ہے کہ دوسرے کی عزت اور امانت کی حفاظت کی جائے۔ ان اصولوں پر قائم معاشرت پُرسکون، پُراعتماد اور ترقی یافتہ ہوتی ہے، جبکہ ان سے خالی بھیڑ محض ایک ہجوم ہوتا ہے جس میں ہر فرد دوسرے کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

معاشرتی زندگی سے فرار کے نقصانات

کچھ لوگ معاشرتی ذمہ داریوں سے گھبرا کر تنہائی اور گوشہ نشینی کو سکون کا راستہ سمجھتے ہیں، مگر طویل تنہائی کے نقصانات اس کے وقتی سکون سے کہیں بڑے ہوتے ہیں۔ سماجی کٹاؤ انسان کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے، اس کے علم اور تجربے سے دوسرے محروم رہتے ہیں اور وہ خود بھی زندگی کے اہم تجربات سے محروم رہتا ہے۔ ایسے افراد اکثر خود کو ترس، وہم اور منفی سوچوں کا شکار بنا لیتے ہیں۔

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کو خلوت کا وقت ہی نہ ملے۔ فکر، عبادت اور خود احتسابی کے لیے مناسب خلوت مفید ہے، مگر مستقل معاشرتی فرار فطرت سے بغاوت ہے۔ توازن یہی ہے کہ انسان معاشرے میں رہے، اس کی خدمت کرے، اس سے سیکھے اور سکھائے، اور ضرورت کے وقت خلوت میں اپنے باطن کی اصلاح بھی کرتا رہے۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ معاشرت زندگی کی فطری ضرورت ہے کیونکہ انسان کی جسمانی بقا، نفسیاتی سکون، علمی و تہذیبی ترقی اور اخلاقی تکمیل سب معاشرتی زندگی ہی سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لیے سماجی فطرت عطا کی ہے اور اسے خاندان، برادری اور امت کے رشتوں میں پرویا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم معاشرت کو محض بھیڑ میں رہنا نہ سمجھیں بلکہ اس کے اصول و آداب — حقوق کی ادائیگی، انصاف، رواداری اور تعاون — اپنا کر اسے اپنی اور دوسروں کی فلاح کا ذریعہ بنائیں۔

سوال نمبر 4: مختلف مذاہب میں اخلاقیات کا مقام — تقابلی جائزہ (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ مختلف مذاہب میں اخلاقیات کو کیا مقام حاصل ہے؟ اسلامی، عیسائی، ہندو، بدھ اور یہودی تعلیمات کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔ (20)

تعارف

دنیا کا کوئی بڑا مذہب ایسا نہیں جس نے اخلاق کو نظر انداز کیا ہو۔ انسان جب بھی خدا، کائنات اور اپنے مقصدِ حیات کے بارے میں سوچتا ہے تو اسے لازمی طور پر یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ اسے زندگی کیسے گزارنی چاہیے، اور یہی سوچ اخلاق کی بنیاد بنتی ہے۔ اس لیے ہر مذہب میں عبادات اور عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات کو مرکزی مقام حاصل رہا ہے، البتہ ان تعلیمات کی بنیاد، وسعت اور عملی نظام میں فرق پایا جاتا ہے۔

اس جواب میں ہم اسلام، عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔ موازنہ پیش کرنے سے پہلے نیچے دی گئی جدول ان پانچوں مذاہب میں اخلاق کے مقام کا ایک اجمالی نقشہ پیش کرتی ہے، جس کے بعد ہر مذہب کی تعلیمات کو الگ الگ بیان کیا جائے گا اور آخر میں مشترکات، اختلافات اور اسلامی تعلیمات کی امتیازی خصوصیات کا خلاصہ دیا جائے گا۔

جدول 1: پانچ بڑے مذاہب میں اخلاقیات کا مقام — تقابلی خلاصہ

بدھ مت	ہندومت	یہودیت	عیسائیت	اسلام	پہلو
چار سچائیاں، آٹھ گناراستہ	دھرم اور کرم کا اصول	تورات اور دس احکام	محبت اور انجیلی تعلیمات	وحی: قرآن و سنت	اخلاق کی بنیاد
رحم اور عدم تشدد	اہنسا اور فرض شناسی	عدل اور راست بازی	محبت اور عفو	عدل، رحم اور امانت	مرکزی قدر
کرم اور نروان	کرم اور آواگون	شریعت والٰہی جزا	یوم حساب	آخرت میں جوابدہی	جزا و سزا
فرد اور تمام ذی روح	فرد، ذات اور سماج	قوم اور سماج	فرد اور سماجی خدمت	فرد، سماج، ریاست، ماحول	دائرہ

اسلام میں اخلاقیات کا مقام

اسلام میں اخلاق کو دین کا جوہر اور مقصد قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ آپ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید نے آپ ﷺ کے اخلاق کو عظیم قرار دیا اور مومنوں کی پہچان عبادات کے ساتھ ساتھ سچائی، امانت، عدل، رحم اور ایفائے عہد سے جوڑی۔ اسلامی اخلاق کی بنیاد وحی ہے، اس کی ضمانت ایمان و آخرت کی جوابدہی ہے اور اس کا دائرہ خدا سے لے کر انسانوں، جانوروں اور ماحول تک پھیلا ہوا ہے۔

اسلامی اخلاق کی نمایاں خصوصیت توازن اور ہمہ گیریت ہے۔ یہاں اخلاق صرف انفرادی خوبی نہیں بلکہ پورے نظامِ زندگی کا حصہ ہے: معیشت میں سود و ملاوٹ کی ممانعت، سیاست میں عدل و شوریٰ، جنگ میں بھی غیر مقاتلین کے قتل کی ممانعت، اور خاندان میں والدین و اولاد کے حقوق کی تفصیل۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے اخلاق کو قانون اور عبادت دونوں سے جوڑ دیا ہے جس سے اسے عملی قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اخلاقی نظام چودہ صدیوں سے ایک زندہ تمدنی قوت کے طور پر موجود ہے۔

عیسائیت میں اخلاقیات کا مقام

عیسائیت میں اخلاق کو محبت کے اصول پر قائم کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا سے محبت کرو اور اپنے پڑوسی سے بھی اپنے جیسی محبت کرو۔ پہاڑی وعظ میں آپ نے صرف قتل اور بدکاری ہی نہیں بلکہ غصے اور بری نظر کو بھی گناہ قرار دے کر اخلاق کو باطن تک وسیع کیا۔ دشمن سے محبت، معاف کرنا، عاجزی، خدمت اور ضرورت مند کی مدد عیسائی اخلاق کے نمایاں پہلو ہیں، اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا پیش کرنے کی تعلیم صبر و عفو کی انتہائی صورت ہے۔

عیسائی اخلاق کی تاریخ میں راہبانیت کا رجحان بھی نمایاں رہا، جس میں دنیا سے کنارہ کشی کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا۔ بعد کے ادوار میں سماجی خدمت، اسپتالوں اور تعلیمی اداروں کے قیام کی صورت میں اخلاق کا اجتماعی اظہار بھی سامنے آیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عیسائی اخلاق کی محبت و عفو کی تعلیمات قریب ہیں، تاہم اسلام نے عفو کے ساتھ عدل و قصاص کا توازن بھی قائم رکھا ہے تاکہ نرمی ظلم کی حوصلہ افزائی نہ بنے۔

یہودیت میں اخلاقیات کا مقام

یہودیت میں اخلاق کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے دس احکام ہیں جن میں خدا کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ قتل، چوری، جھوٹی گواہی اور والدین کی نافرمانی کی ممانعت شامل ہے۔ یہودی تعلیمات میں عدل، راست بازی اور شریعت کی پابندی کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ عہد نامہ قدیم میں یتیم، بیوہ اور مسافر کے حقوق، مزدور کی اجرت وقت پر دینے اور غریب کی مدد کرنے کی واضح ہدایات موجود ہیں جو اس مذہب کے اخلاقی شعور کو ظاہر کرتی ہیں۔

یہودیت میں اخلاق کا تعلق خاص طور پر ایک منتخب قوم کے اجتماعی نظام سے جڑا رہا اور بہت سی اخلاقی ہدایات قومی و نسلی دائرے میں بیان ہوئی ہیں۔ بعد کے یہودی علماء نے اخلاقیات پر مستقل کتابیں بھی لکھیں اور صدقہ، مہمان نوازی اور تعلیم کو اہم اقدار قرار دیا۔ اسلامی تعلیمات سے قربت اس لحاظ سے ہے کہ دونوں میں توحید، شریعت اور اخلاق کا گہرا ربط ہے، مگر اسلام نے اخلاق کے دائرے کو قوم سے بڑھا کر پوری انسانیت تک وسیع کر دیا ہے۔

ہندومت میں اخلاقیات کا مقام

ہندومت میں اخلاق کی بنیادی تصورات دھرم، کرم اور اہنسا ہیں۔ دھرم سے مراد وہ فرض اور راست روی ہے جو ہر انسان پر اس کی حیثیت اور زندگی کے مرحلے کے مطابق لازم ہے۔ کرم کا اصول یہ ہے کہ جیسا عمل ہو گا ویسا ہی پھل ملے گا، اور یہ پھل آئندہ زندگیوں تک جاری رہتا ہے، اس لیے انسان کو نیکی پر مجبور کرنے والا ایک مضبوط اندرونی نظام موجود ہے۔ بھگوت گیتا میں بے لوث عمل، یعنی پھل کی خواہش کے بغیر فرض ادا کرنا، اخلاق کا اعلیٰ اصول قرار دیا گیا ہے۔

اہنسا، یعنی کسی جاندار کو دکھ نہ دینا، ہندو اخلاق کی سب سے نمایاں صفت ہے جس نے خوراک، پیشوں اور سماجی رویوں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ سچ بولنا، چوری نہ کرنا، ضبطِ نفس اور قناعت جیسی اقدار بھی نمایاں ہیں۔ البتہ ذات پات کے نظام نے تاریخی طور پر اس اخلاق کے اطلاق کو سماجی طبقات میں تقسیم کر دیا، جس پر خود ہندو اصلاحی تحریکوں نے بھی تنقید کی ہے۔ اسلام سے موازنہ کریں تو دونوں میں عمل کی جزا کا تصور اور ضبطِ نفس مشترک ہے، مگر بزاکہ اسلام میں آخرت کی زندگی سے اور ہندومت میں آواگون سے وابستہ ہے۔

بدھ مت میں اخلاقیات کا مقام

بدھ مت میں اخلاق کو نجات کے راستے کا پہلا اور بنیادی مرحلہ قرار دیا گیا ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیم کا محور چار عظیم سچائیاں اور آٹھ گنا راستہ ہے جس میں درست قول، درست عمل اور درست روزگار براہِ راست اخلاقی زندگی سے متعلق ہیں۔ بدھ مت کے پانچ بنیادی عہد یہ ہیں کہ جان نہ لی جائے، چوری نہ کی جائے، بدکاری سے بچا جائے، جھوٹ نہ بولا جائے اور نشہ نہ کیا جائے۔ یہ عہد ہر بدھ پیروکار کی روزمرہ زندگی کی بنیاد ہیں۔

بدھ اخلاق میں رحم اور عدمِ تشدد کو سب سے بلند مقام حاصل ہے، اور اس رحم کا دائرہ تمام ذی روح مخلوقات تک پھیلا ہوا ہے۔ مراقبے کے ذریعے ذہن کی تربیت اور خواہشات پر قابو بدھ اخلاق کا خاص حصہ ہے جس سے جدید نفسیات نے بھی استفادہ کیا ہے۔ البتہ بدھ مت میں اخلاق کی بنیاد خدا اور آخرت کی جوابدہی کے بجائے دکھ سے نجات اور ذہنی سکون کی تلاش ہے، اور اس کی انتہائی صورت ترکِ دنیا اور بھکشو بننے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جبکہ اسلام اعتدال اور دنیا میں رہ کر اخلاق کا درس دیتا ہے۔

مشترکات اور اختلافات

تقابلی جائزے سے یہ خوش کن حقیقت سامنے آتی ہے کہ پانچوں مذاہب بڑی اخلاقی قدرات میں بڑی حد تک مشترک ہیں: سچائی، عدم تشدد، چوری و بدکاری سے پرہیز، ضرورت مند کی مدد اور والدین و بزرگوں کا احترام ہر مذہب میں پسندیدہ ہے۔ سنہری اصول — کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو — کسی نہ کسی صورت میں سب مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ یہ اشتراک اس بات کا ثبوت ہے کہ اخلاقی شعور انسانی فطرت کا حصہ ہے اور وحی و الہام نے ہمیشہ اس کی رہنمائی کی ہے۔

اختلافات بنیاد اور دائرے کے ہیں۔ اسلام اور یہودیت میں اخلاق کی بنیاد توحید و وحی ہے، عیسائیت میں محبت مرکزی اصول ہے، ہندومت میں دھرم و کرم اور بدھ مت میں دکھ سے نجات۔ دائرے کے لحاظ سے کچھ مذاہب میں اخلاق انفرادی نجات پر زیادہ مرکوز رہا، جبکہ اسلام نے اسے قانون، ریاست اور معیشت سمیت مکمل سماجی نظام سے جوڑا۔ ایک اور فرق جزا و سزا کے تصور کا ہے: اسلام میں آخرت کی ابدی زندگی، ہندومت و بدھ مت میں آواگون اور کرم، جبکہ یہودیت و عیسائیت میں جزا کے تصورات کی تفصیلات مختلف ادوار میں بدلتی رہی ہیں۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ اخلاقیات کو دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں مرکزی مقام حاصل ہے، کیونکہ مذہب کا مقصد صرف عبادت نہیں بلکہ انسان سازی ہے۔ اسلامی، عیسائی، یہودی، ہندو اور بدھ تعلیمات سچائی، رحم، عدل اور پرہیز گاری جیسی بڑی اقدار میں مشترک ہیں۔ اسلامی اخلاقیات کی امتیازی شان اس کی ہمہ گیریت، توازن، وحی کی مستقل بنیاد اور عبادت، قانون و سماج سے اس کا عملی ربط ہے۔ تقابلی مطالعے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان مشترک اقدار کی بنیاد پر مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی اور باہمی احترام کا رویہ اپنا سکتا ہے۔

سوال نمبر 5: رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ پر تفصیل سے لکھیں۔ (20)

تعارف

انسانی تاریخ میں اگر کسی شخصیت کو کامل اخلاق کا مکمل اور محفوظ نمونہ کہا جا سکتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کے اخلاق کی عظمت کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں، اور آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ نے خود اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل بیان فرمایا، یعنی آپ کی ساری زندگی درحقیقت اخلاق کی عملی تفسیر ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کتابی اصول نہیں بلکہ گزاری ہوئی زندگی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا، یعنی قرآن نے جو کچھ کہا آپ نے اسے کر کے دکھا دیا۔ اس جواب میں ہم آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے نمایاں پہلوؤں — سچائی، امانت، رحم، عفو، سخاوت، انصاف، تواضع اور حسنِ معاشرت — کو سیرت کی مثالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کریں گے۔

سچائی اور امانت

نبوت سے پہلے ہی اہلِ مکہ آپ ﷺ کو الصادق الامین کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ ﷺ نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، حتیٰ کہ دشمن بھی آپ کی سچائی کے معترف تھے۔ تجارت میں آپ کی دیانت نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو متاثر کیا۔ جب وحی کا آغاز ہوا اور آپ نے اہلِ مکہ کو صفا کی پہاڑی سے پکارا تو سب نے یک زبان کہا کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ یہ ساکھ چالیس سال کے کردار کی کمائی تھی جو ایک دن میں حاصل نہیں ہوتی۔

امانت کا یہ عالم تھا کہ نبوت کے بعد جب مکہ کے لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے تب بھی اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے، اور ہجرت کی رات آپ ﷺ نے وہ امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں کہ مالکان کو واپس کر دی جائیں۔ اس واقعے سے بڑا اخلاقی سبق کیا ہو سکتا ہے کہ دشمنی بھی امانت کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ سچائی اور امانت آپ ﷺ کے اخلاق کی وہ بنیاد ہیں جن پر پوری دعوت کا محل کھڑا ہوا۔

رحمت اور شفقت

آپ ﷺ کے اخلاق کا سب سے روشن پہلو رحمت ہے۔ آپ بچوں سے شفقت فرماتے، انہیں سلام میں پہل کرتے، مریضوں کی عیادت کرتے اور غلاموں و خادموں کے ساتھ نرمی برتتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال خدمت کی اور بیان کیا کہ آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کسی کام پر ڈانٹا کہ یہ کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ جانوروں پر بھی آپ کی رحمت کا یہ عالم تھا کہ بے زبان مخلوق کو تکلیف دینے سے منع فرمایا اور پیاسی بلی کو پانی پلانے کو نجات کا ذریعہ بتایا۔

یہ رحمت صرف اپنوں کے لیے نہیں تھی بلکہ دشمنوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ طائف کے ظالموں کے لیے آپ نے بددعا کے بجائے ہدایت کی دعا کی۔ جنگوں میں بھی بچوں، عورتوں، بڑھوں اور عبادت گزاروں کے قتل سے منع فرمایا۔ نماز میں بچے کے رونے کی آواز سن کر قراءت مختصر کر دیتے کہ ماں کو پریشانی نہ ہو۔ رحمت کا یہ جامع تصور، جس میں انسان، جانور اور ماحول سب شامل ہیں، انسانی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

عفو و درگزر اور صبر

آپ ﷺ کی زندگی عفو و درگزر کے حیرت انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ فتح مکہ کا دن اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو ستایا، آپ کے صحابہ کو شہید کیا اور آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، وہ سب اس دن آپ کے قابو میں تھے، مگر آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ انسانی تاریخ میں فاتح کا مفتوح کے ساتھ ایسا سلوک کم ہی دیکھا گیا ہے۔

ذاتی تکلیف پر آپ ﷺ نے کبھی انتقام نہیں لیا۔ جس عورت نے آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا، جب وہ ایمان لے آئی تو اسے بھی معاف کر دیا گیا۔ اپنے اوپر گندگی پھینکنے والے پڑوسی کی بیماری پر عیادت کرنا اور روزانہ تکلیف دینے والوں کے لیے ہدایت کی دعا کرنا آپ کا معمول تھا۔ البتہ یہ عفو کمزوری نہیں تھا؛ اللہ کی حدود اور کمزوروں کے حقوق کے معاملے میں آپ ﷺ نہایت مضبوط تھے۔ یہی توازن — ذاتی معاملے میں معافی، اصول کے معاملے میں مضبوطی — آپ کے صبر و عفو کو کامل بناتا ہے۔

سخاوت اور ایثار

آپ ﷺ کی سخاوت کی مثال دریا کی روانی سے دی جاتی ہے۔ آپ کے گھر کبھی کوئی چیز کل کے لیے نہیں بچی، جو آیا ضرورت مندوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے وادی بھر بکریاں مانگیں تو عطا فرما دیں، اور وہ شخص اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ اس شخص کے پاس آؤ جو فقر کے خوف کے بغیر دیتا ہے۔ رمضان میں آپ کی سخاوت تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ خود آپ اور آپ کے اہلِ خانہ فاقے کرتے مگر سوالی کو خالی ہاتھ واپس کرنا آپ کی عادت نہ تھی۔

ایثار کا یہ عالم تھا کہ تین تین دن گھر میں چولہا نہ جلتا مگر مہمان کی تواضع میں کمی نہ آتی۔ مدینے کے ایک انصاری اور مہاجر مہمان کا مشہور واقعہ، جس میں میزبان نے بچوں کو سلا کر اور چراغ بجھا کر کھانا مہمان کو کھلایا، درحقیقت اسی تربیت کا عکس تھا جو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو دی تھی۔ سخاوت آپ کے ہاں صرف مال دینا نہیں تھی بلکہ وقت دینا، علم دینا اور دکھ بانٹنا بھی تھا۔

عدل و انصاف

آپ ﷺ کے انصاف کی سب سے مشہور مثال مخزومی عورت کے چوری کے مقدمے کی ہے۔ جب بعض لوگوں نے بااثر قبیلے کی عورت کے لیے سفارش کی کوشش کی تو آپ ﷺ کا چہرہ غصے سے بدل گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ کمزور پر حد جاری کرتے اور طاقتور کو چھوڑ دیتے تھے، اور خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔ یہ اعلان قانون کی بالادستی اور بلاامتیاز انصاف کا وہ اصول ہے جس پر جدید ریاستیں بھی فخر کرتی ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے فیصلوں میں رشتہ داری، دوستی اور دولت کسی چیز کو حائل نہیں ہونے دیا۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے مقدمات میں بھی حق دار کو حق دلایا۔ قرض کی ادائیگی میں ایک بدو کے سخت رویے پر صحابہ ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ حق والے کو کہنے کا حق حاصل ہے اور پھر اسے اس کے حق سے بہتر ادائیگی کی۔ انصاف کا یہ معیار آپ کے اخلاق کو انتظامی اور عدالتی نظاموں کے لیے بھی ہمیشہ کا نمونہ بنا دیتا ہے۔

تواضع، سادگی اور حسنِ معاشرت

تمام عظمت و اختیار کے باوجود آپ ﷺ کی زندگی تواضع اور سادگی کی تصویر تھی۔ آپ عام لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے، اپنے جوتے اور کپڑے خود مرمت کر لیتے، گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور مجمع میں اس طرح بیٹھتے کہ نووارد کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمد ﷺ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ اس عاجزی نے دلوں کو فتح کیا اور قیادت کو خدمت کا نام بنا دیا۔

حسنِ معاشرت میں آپ ﷺ سب سے اچھے ساتھی، سب سے نرم گفتگو کرنے والے اور سب سے زیادہ مسکرانے والے تھے۔ آپ ہر ایک کو پوری توجہ سے سنتے، کسی کی بات نہ کاٹتے، ملنے والے کو اس کے پسندیدہ نام سے پکارتے اور سلام میں پہل فرماتے۔ بیویوں کے ساتھ آپ کا رویہ محبت، مشورے اور احترام کا نمونہ تھا، دوستوں کے ساتھ وفا اور مزاح کی لطیف جھلک بھی ملتی ہے۔ سیرت کا یہ پہلو بتاتا ہے کہ اخلاق صرف بڑے واقعات میں نہیں، روزمرہ کے چھوٹے رویوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

برداشت، وفائے عہد اور پڑوسیوں کے حقوق

آپ ﷺ نے ہمیشہ وعدے کی پاسداری کی۔ صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں مگر آپ نے ان کی مکمل پابندی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی صلح فتحِ مکہ کی تمہید بن گئی۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی بھی اسی طرح حفاظت کی گئی۔ معاہدے کی اس پاسداری نے دنیا کو یہ اصول دیا کہ عہد کی قدر وقتی فائدے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

پڑوسی کے حقوق پر آپ ﷺ نے اتنی تاکید فرمائی کہ صحابہ کو گمان ہوا کہ پڑوسی کو وراثت میں بھی شریک کر دیا جائے گا۔ آپ کے پڑوسیوں میں یہودی بھی تھے اور آپ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک فرماتے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو ایمان کا شعبہ قرار دیا اور ماحول و سماج کی صفائی کو اخلاق کا حصہ بنایا۔ برداشت کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں پیشاب کرنے والے دیہاتی کو صحابہ کی ڈانٹ سے روکر کر نرمی سے سمجھایا۔ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں مل کر بتاتی ہیں کہ آپ کا اخلاق صرف میدانِ جنگ اور فتح کے دنوں تک نہیں، گلی محلوں کی روزمرہ زندگی تک پھیلا ہوا تھا۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سچائی، امانت، رحمت، عفو، سخاوت، عدل، تواضع اور معاشرت کا ایسا مکمل مجموعہ ہیں جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر قیامت تک کے انسانوں کے لیے نمونہ بنا دیا ہے۔ آج کے مسلمان کے لیے اخلاقی بحالی کا راستہ یہی ہے کہ وہ سیرت کا مطالعہ کرے اور اپنی زندگی کے ہر شعبے — گھر، کاروبار، پیشہ اور سماج — میں اسی نمونے کی جھلک پیدا کرے۔ آپ ﷺ کے اخلاق کی پیروی صرف انفرادی نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کی فلاح کا راستہ ہے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com